ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.8,Issue No.3 (2026)
(July to September)

ڈاکٹر علی محمد خاں: کثیر اللجہات ادیب

Dr. Ali Muhammad Khan: A Multifacted Man of Letters

سدرہ محمود

پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر ریحانہ کوثر

صدرِ شعبہ اُردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

Sidra Mahmood

Ph. D Scholar Urdu, Lahore College for Women University, Lahore.

Dr. Rehana Kausar

Head of Urdu Department, Lahore College for Women University, Lahore

Abstract:

Some Literacy Figures are remembered not for a single genre but for work spread across several fields, held together by a consistent scholarly temperament. Dr. Ali Muhammad Khan is such a figure: teacher, researcher, critic, editor, writer of sketches and biographies, translator, curriculam designer and autogbiographer. This articles surverys these dimensions to access his personality, style, intenllectual distinctions and place in Urdu literature. His doctoral research, published as Lahore Ka Dabistan-e-Shairi, agrues that Anjuman-e-Punjab and Lahore formed a distinct school of urdu poetry while Ashnaf-e-Nazm-o-Nasr introduces genres not treated in detail elsewhere. As an editor, he has prepared collected works (Kulliyat) of classical and modern poets, including Jauhar and Hasrat Mohani, with close attention to orthography, Punctuation, annotation and glossaries.

Key words: Ali Muhammad Khan, Urdu Literature, textual editing, biography and sketches, curriculum, Lahore School of Poetry.

کسی بھی ادب کی روایت میں بعض ایسی شخصیات ہوتی ہیں جنھیں کسی ایک خاص صنف یا میدان کے حوالے سے پہچاننا ان کے ساتھ ناانصافی ہے۔ ایسی عظیم شخصیات کا ادبی و علمی سرمایہ مختلف اصناف میں پھیلا ہوتا ہے جس کے پیچھے ایک مربوط و مبسوط ذوقِ علم اور مستقل فکری مزاج کار فرما ہوتا ہے۔ "کثیر اللجہات" کی اصطلاح ایسے اہلِ قلم کے لیے برتی جاتی ہے جس کے ذہن نے مختلف میدانوں میں یکساں سنجیدگی اور معیار کے ساتھ کام کیا ہو۔ ڈاکٹر علی محمد خاں کا شمار ایسے ہی اہلِ قلم میں ہوتا ہے وہ ایک استاد، محقق، نقاد، مدون، مرتب، خاکہ نگار، سوانح نگار، نصاب ساز، مترجم اور خود نوشت سوانح نگار بھی ہیں۔ اس مضمون کا مقصد ان کی ادبی شخصیت کا مذکورہ بالا تمام جہات کے تحت تحقیقی و تنقیدی جائزہ لینا ہے تاکہ ان کی شخصیت اور وژن کا نمایاں جائزہ لیا جاسکے اور ان کے اسلوب، فکری امتیازات اور اردو ادب میں ان کے ادبی مقام کا تعین کیا جاسکے۔ کسی ادیب کی علمی و تخلیقی جہات کو سمجھنے کے لیے ان کے سوانحی پس منظر پر نظر ڈالنا ناگزیر ہوتا ہے جس کے ذوق کی تشکیل میں ماحول، تعلیم اور صحبتِ اہلِ علم کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے۔ کچھ ایسی نسبت

ڈاکٹر علی محمد خاں کو مولانا حالی سے بھی محسوس ہوتی ہے۔ وہ بڑے فخر سے اپنی جائے پیدائش پانی پت (ہریانہ انڈیا) کے بارے میں بتاتے ہیں اور شاہد یہی وجہ ہے کہ وہ حالی کو اپنا آئیڈیل بھی مانتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب منگت علی خاں اور بسو بی بی کی منجھی اولاد ہیں۔ میٹرک کے سرٹیفکیٹ کے مطابق ان کی تاریخ پیدایش ۷ ستمبر ۱۹۴۷ء ہے۔ تقسیم پاکستان کے بعد وہ ٹرین میں سوار ہو کر لاہور کے لیے روانہ ہوئے اور سترہ دن والٹن کے مہاجر کیمپ میں قیام کیا اور گزر بسر کرنے کے لیے ریلوے اسٹیشن سے لے کر بادامی باغ تک ریلوے پٹڑی کے ساتھ پڑے کوئلے چُن کر ان میں سے کچھ کو آگ تاپنے کے لیے رکھ لیتے اور باقی بیچ دیتے۔ اس کے بعد ان کے بڑے بھائی میتراں والی میں پٹواری تعینات ہوئے اور یہ پورا خاندان وہیں رہائش پذیر ہو گیا۔

ڈاکٹر صاحب شروع سے ہی محنت پسند آدمی ہیں۔ انھوں نے پرائمری، مڈل اور میٹرک میں وظیفہ حاصل کیا اور اسی لیے اپنا تعلیمی سلسلہ بھی جاری بھی رکھ سکے۔ ۱۹۶۰ء میں انٹر، ۱۹۶۲ء میں بی۔ اے گوجرانوالہ کالج سے کیا۔ ۱۹۶۶ء میں پرائیویٹ ایم۔ اے اُردو اور ۱۹۸۸ء میں پنجاب یونی ورسٹی سے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری ڈاکٹر سجاد باقر رضوی کی زیر نگرانی "لاہور کا دبستانِ شاعری" پر ایک مبسوط مقالہ لکھ کر حاصل کی۔ ڈاکٹر صاحب نے ملازمت کا آغاز ۱۹۶۱ء میں بطور ایس وی ٹیچر کیا اور پھر ۱۹۷۳ء میں ایجوکیشنل کالج فیصل آباد میں بطور لیکچرار تعیناتی ہوئی۔ اس کے بعد مختلف سرکاری کالجوں میں تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ پھر ۲۰۰۱ء میں بطور پروفیسر بیسویں گریڈ میں ریٹائر ہوئے۔ اس کے بعد ایف۔ سی کالج سے وابستہ ہوئے اور اب تک وہاں تدریسی فرائض نبھا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کے نہم و دہم اور گیارہویں و بارہویں جماعت کے نصاب کی نظر ثانی کمیٹی میں بھی شامل ہیں۔ گزشتہ پینتالیس سال سے درس و تدریس سے وابستہ ہیں اور جس تعلیمی ادارے میں یہ اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریاں نبھاتے ہیں۔ اس ادارے کے میگزین کی بھی ادارت سنبھالتے ہیں یوں وہ ایک صحافی اور مدیر کی حیثیت سے بھی خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔

ڈاکٹر علی محمد خاں کی ادبی خدمات کا دائرہ کئی اصناف پر پھیلا ہوا ہے۔ حالی کی طرح ان کے ہاں بھی ہر جہت دوسری سے مربوط ہے۔ تحقیقی میدان کی بات کی جائے تو اس میں اُن کا نمایاں کارنامہ "لاہور کا دبستانِ شاعری" ہے جس کے کتابی صورت میں چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اپنی تحقیق میں وہ یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ انجمنِ پنجاب نے لاہور میں اُردو ادب کے فروغ میں بہت اہم اور مثبت کردار ادا کیا ہے اور پھر رومانوی، ترقی پسند اور حلقہ اربابِ ذوق نے اس خطے میں خاص فکر، مزاج اور رجحان پیدا کیا جو دبستان بن گیا اور چوں کہ لاہور پنجاب کا مرکز اور نمائندہ ہے اسی نسبت سے اسے دبستانِ لاہور کا نام دیا گیا۔ وہ اپنے مقالے میں لاہور، دلی اور لکھنؤ کے نمایاں فرق کو بھی انتہائی عمیق مشاہدہ سے واضح بھی کرتے ہیں۔ ڈاکٹر علی محمد خاں "لاہور کا دبستانِ شاعری" میں لکھتے ہیں:

> "دبستانِ دلی کا امتیاز داخلیت ہے اور دبستانِ لکھنو کا خارجیت۔ لیکن پنجاب کو نہ تو ایسے حالات سابقہ پڑا تھا جنھوں نے دہلوی شعرا کو دروں بینی پر مجبور کر دیا تھا اور نہ ہی انھوں نے دولت کی وہ ریل پیل دیکھی تھی جس کی وجہ سے لکھنؤ عیش و عشرت کا گہوارہ بن گیا تھا اور یہ چیز ان کی بیروں بینی کا باعث بنی۔ لہٰذا انھوں نے جو شاعری کی اس میں دلی اور لکھنؤ کے دبستانوں کے اچھے پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اپنے مخصوص مزاج اور اپنے مخصوص اندازِ فکر اور اپنے خطے کے خاص طور طریقوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے لہجے میں جو توانائی اور قوت ہے وہ ہمیں دلی اور لکھنؤ کے دبستانوں کے شعراء کے کلام میں نہیں

> ملتی۔ چناں چہ دلی اور لکھنؤ میں جو چیز لطیف ہے وہ پنجاب میں بلند آہنگ ہے، وہاں اگر زیرِ لب مسکراہٹ ہے تو یہاں قہقہہ ہے، بالکل اسی طرح جیسے اہل برطانیہ کے یہاں سنجیدگی، رکھ رکھاؤ اور وضع داری ہے اور وہی چیز امریکہ میں بے ساختگی، برجستگی اور بے تکلفی ہے۔"(۱)

ایک اچھے محقق کا افرض ہے کہ وہ اصل حقائق کی تلاش کرے اور چھان پھٹک کر کے درست نتائج سامنے لائے اور اس کے لیے ثبوت و دلائل بھی پیش کرے۔ ڈاکٹر علی محمد خاں نے ایسا ہی کیا ہے وہ ''لاہور کا دبستانِ شاعری'' میں اپنی دلیلوں کے ثبوت فراہم کرتے دیکھائی دیتے ہیں۔ ڈاکٹر سجاد باقر رضوی لکھتے ہیں:

> "دبستانِ لاہور کی پہچان ڈاکٹر علی محمد خاں نے کی ہے۔۔۔۔ دبستانِ لاہور کی ایک بڑی اور بنیادی خصوصیت۔۔ جدّت اور جدّت کو قبول کرنے کی صلاحیت ہے ۔چوں کہ اس دبستان سے متعلقہ علاقہ خطہ پنجاب ہے اس لیے یہ خصوصیت علاقہ کی زندگی میں بھی رچی بسی ہے۔۔۔ ڈاکٹر علی محمد خاں نے اسی تحرک اور جدت پسندی کے رجحان کے تحت پنپنے والی شاعری کا جائزہ لیا ہے اور اسے ایک مخصوص مزاج اور اسلوب بیان سے متعلق کر کے اردو شاعری کے ایک دبستان کو اس کے مرکز لاہور سے منسلک کر دیا ہے(۲)

تحقیق و تنقید ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ ایک محقق تنقید کے ذریعے فن پارے سے تخلیقی جوہر کو نکھارتا ہے اور بے شکل و بے ترتیب فکر و خیال کو مرتب کرتا ہے۔ اس کے لیے تنقیدی شعور ہونا ضروری ہے، جتنا یہ گہرا و وسیع ہو گا اتنی عمدہ تنقید بھی ہو گی۔ ڈاکٹر علی محمد خاں کی تنقیدی کتب میں "اظہارِ خیال"، "نقش ہائے رنگ رنگ"، "قرطاس و قلم" اور "اصنافِ نظم و نثر "شامل ہیں۔ ان تصانیف میں ڈاکٹر علی محمد خاں کے تحقیقی و تنقیدی، علمی و ادبی مضامین و مقالات موجود ہیں جو مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہونے کے علاوہ ان کی کئی کتب کے دیباچے بھی ہیں۔ ڈاکٹر علی محمد خاں کی تنقید تاثراتی ہے، وہ کسی لگی لپٹی کے بغیر بات کو جیسا محسوس کرتے ہیں بیان کر دیتے ہیں۔ ان کے مد نظر خامیاں تلاشنا نہیں ہوتا، وہ صرف خوبیاں دیکھتے ہیں اور شخصیت کا وہی تاثر بیان کر دیتے ہیں جیسا محسوس کرتے ہیں۔ مثلاً فیض کے بارے میں "نقش ہائے رنگ رنگ"، میں "فیض۔ اقبال کا ہم نشیں" میں لکھتے ہیں:

> "فیض، دبستانِ لاہور کے اُن شعرا میں نمایاں مقام رکھتے ہیں جنھوں نے زندگی کے حسن و جمال اور نشیب و فراز کو مختلف زاویوں سے دیکھا ہے۔ فیض کی نظر مشرقی اور مغربی ادب کی اعلیٰ اقدار احساس و یقین کے ساتھ ان کے یہاں جلوہ فگن ہوتی ہیں۔ اگرچہ سوشلزم کے فلسفہ سے انھیں بڑی گہری وابستگی ہے مگر فیض نے کورانہ تقلید کے بجائے اپنے توانا شعور، پختہ ادبی ذوق اور شعری وجدان کے ساتھ اپنی فکر کا جزو بنایا ہے۔ فیض نے شاعری کی مثبت روایات اور ثقافتی ورثے کو قائم رکھا ہے مگر چوں کہ انھیں اپنے عہد اور ماحول سے فکر و شعور کا وافر حصہ ملا ہے۔ اس لیے انھوں نے پرانے استعارے نئے مفاہیم میں استعمال

کیے ہیں۔ اس کے علاوہ نئے اور مخصوص معاشرتی ماحول اور سیاسی پس منظر کے حامل نئے استعارے بھی تخلیق کیے ہیں۔۔۔ یہاں تک کے موضوعاتی نظموں کے علاوہ ان کی سیاسی نظمیں بھی محض وزن اور ردیف قافیے کا خوب صورت کھیل نہیں بل کہ ان میں بھی شعریت ہے۔ فیض نے ہر جگہ نہایت شستہ اور پاکیزہ زبان استعمال کی ہے اور ان کے کلام میں نغمگی کا عنصر ہر جگہ موجود ہے۔ (۳)"

فیض کی شاعری کے تمام بڑے نقاد معترف ہیں۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے نزدیک فیض کی شاعری میں وہ قوتِ شفا ہے۔ ایسی دل آسائی اور دل آویزی، نرمی اور شبنمی لمس ہے جیسے دُکھتے ہوئے دل پر کسی نے پیار سے ہاتھ رکھ دیا ہو۔ ان کی شاعری جمالیاتی حسن تو رکھتی ہے ساتھ ہی ساتھ اس میں بلند حوصلہ اور جذبے کی وہ فکر موجود ہے کہ لمبی ہے غم کی شام مگر شام ہی تو ہے، کا آہنگ پیدا کر کے کچھ کر دکھانے کی آگ پیدا کرتی ہے۔ ڈاکٹر علی محمد خاں نے "اصنافِ نظم و نثر" میں کئی ایسی اصناف کا تفصیلی ذکر کیا ہے جن کے بارے میں کسی کتاب میں تفصیل نہیں ملتی۔ شعری اصناف میں کافی، سہرا، فخریہ، رخصتی، ہائیکو، دوہا، بارہ ماسا، سی حرفی، ماہیا، نظمانہ، گوری، آزاد غزل، عشرہ، ترائیلے وغیرہ شامل ہیں اور نثری اصناف میں نثری تحریف (پیروڈی)، صحافت، تحقیق، تنقید، زنداں نامے، تقریر، بلیغیات، لطائف و ظرائف وغیرہ خاص طور پر شامل ہیں۔ "دوہے" کے بارے میں ڈاکٹر علی محمد خاں لکھتے ہیں:

"دوہا خالص ہندی صنفِ نظم ہے اور ہندی شاعری میں دوہے کی ایسی درخشاں روایت موجود ہے جو پرانے وقتوں سے چلی آرہی ہے۔ ہندی دوہوں کی روایت میں انسان دوستی، عشق و مستی، حسنِ مجاز، عرفان و شہود، حرص وہوا، عالمِ آشوب، فنا و بقا اور علم و عمل سب کچھ شامل ہے۔۔۔ دوہے میں، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے فقط دو مصرعے ہوتے ہیں جو ہم قافیہ یا ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں اور دو مصرعوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: پہلا حصہ تیرہ ماتراؤں کا اور سَم کہلاتا ہے اور دوسرا حصہ گیارہ ماتراؤں پر مشتمل ہوتا ہے، اسے دشم کہتے ہیں، ان دو مصرعوں میں ایک جہانِ معنی آباد ہوتا ہے یا تو زندگی کا نچوڑ ہوتا ہے یا پھر ایسا مشاہدہ بیان کیا جاتا ہے جو عین حقیقت یا علم گیر سچائی کی حیثیت رکھتا ہے۔" (۴)

اصنافِ نظم و نثر کے حوالے سے ڈاکٹر علی محمد خاں نے جن اصناف کو بیان کیا ہے ان کی تفصیلات بھی فراہم کی ہیں۔ یہ اصناف کسی اور کتاب میں بیان نہیں کی گئیں۔ اس کا سہرا ڈاکٹر علی محمد خاں کے سر ہی جاتا ہے۔ اس کتاب کے حوالے سے ڈاکٹر غفور شاہ قاسم لکھتے ہیں:

"اُردو زبان و ادب کے طلبہ اور اساتذہ دونوں کے لیے یکساں مفید اور معلومات افزا یہ کتاب شعری اور نثری اصناف کے ہر پہلو پر محیط ہے۔ بل کہ اب تک اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں جن اصناف کو درخورِ اعتنا

نہیں سمجھا گیا، ان تمام اصناف کو پہلی مرتبہ اس کتاب میں موضوعِ بحث بنایا گیا ہے، وہ اصناف جو پہلی مرتبہ اس نوعیت کی کسی کتاب میں شامل کی گئی ہیں۔ ان میں کافی، فخریہ، سہرا، رخصتی، ہائیکو، بارہ ماسہ، دوہا، نظمائے اور ماہیا شامل ہیں"(۵)

ڈاکٹر علی محمد خاں کی ترتیب و تدوین کی بات کی جائے تو اس میں ان کی تقسیم شعری اور نثری ادب کے حوالے سے بآسانی کی جاسکتی ہے۔ شعری ادب میں کلیات نظیر، کلیاتِ غزلیاتِ میر، کلیاتِ نظمیاتِ میر، کلیاتِ حسرت موہانی، کلیات جوہر، دیوانِ درد، دیوانِ مومن اور نثری ادب میں فرہنگِ عامرہ، حیاتِ جاوید، مقدمہ شعر و شاعری، دخترانِ ہند، توبتہ النصوح، فردوسِ بریں، نقوشِ کشمیر، سبدِ گُل، مضامین فرحت، خواجہ حسن نظامی کے مضامین، مشرقی تمدن کا آخری نمونہ یعنی (گزشتہ لکھنؤ) اُردو کی ظریفانہ شاعری، مضامینِ سر سید احمد خاں وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ ان تمام کتب میں قابلِ ذکر رسم الخط اور جدید املا پر زور دینا ہے۔ ڈاکٹر علی محمد خاں نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ جن کتب پر انھوں نے کام کیا ہے، وہ ان سب میں جدید رسم الخط اور املا پر محنت کر کے تحریر میں رموزِ اوقاف کا استعمال بھی نہایت عمدگی سے کرتے ہیں، جس سے قاری کو پڑھنے میں سہولت ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر علی محمد خان نے مشکل الفاظ کے معنی اور وضاحت کے علاوہ جہاں حاشیہ کی ضرورت سمجھی اسے بھی درج کیا ہے۔ اگر کلام میں کوئی خاص نظم یا شعر شامل ہے تو اس کی وضاحت بھی حاشیہ میں درج کرتے ہیں اور زمانی حوالے کے علاوہ اختلافی قرائتوں کی بھی نشان دہی کرتے ہیں۔ ڈاکٹر علی محمد خاں نے زیادہ تر کتب کے آخر میں فرہنگ بھی شامل کی ہے تاکہ طلبا اور ادب کے شوقین افراد کے لیے آسانی ہو۔ شعرا کے کلام پر بھرپور تنقید بھی کرتے ہیں۔ مثلاً مولانا محمد علی جوہر "سوانح اور شاعری" کے عنوان کے تحت مولانا کی سوانح عمری اور شاعری پر تبصرہ یوں کرتے ہیں:

"جوہر کی شاعری بھی مسلکِ حق گوئی کی تفسیر ہے جس کی لَے وقت کی لہروں کے ساتھ ساتھ تند و تیز ہوتی چلی گئی۔ شمس الرحمن فاروقی کے خیال میں ان کی شاعری حرکت اور بے چینی اور پُر شور استعاروں اور پیکروں سے بھری ہوئی ہے۔۔۔ اسی لیے ان کی شاعری میں اسلامی افکار و اقدار اور روایات کے گہرے نقوش نمایاں ہیں"۔(۶)

ڈاکٹر علی محمد خاں نے کلیات جوہر اور کلیات حسرت جیسی نایاب اور کم یاب کتب کی ترتیب و تدوین کر کے جو اہم کارنامہ سر انجام دیا ہے۔ وہ ادب پر ایک بڑا احسان ہے۔ ڈاکٹر اشفاق احمد ورک اس سلسلے میں بتاتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحب نے جتنا بھی تدوینی کام کیا ہے۔ اُس میں ان کی نظر، مشاہدہ، بصارت اور بصیرت سے کام لیا ہے۔ انھوں نے کتنے بڑے اساتذہ کے کلیات مرتب کر دیے جن کو ہم ڈھونڈتے پھرتے تھے کہ یہ کہاں سے ملیں گے۔ مجھے مولانا محمد علی جوہر کے کلیات کے بارے میں پتہ نہیں تھا۔ ایک آدھ غزل سنی تھی اور ڈاکٹر صاحب نے اُن کا کلیات ہی مرتب کر دیا پھر میر درد، نظیر اکبر آبدی، میر تقی کو دیکھیں نظمیات الگ اور غزلیات الگ۔ تو اس طرح سے یہ کام

میں کہتا ہوں ایک مشقت کا کام ہے۔ محنت کی عادت ڈاکٹر صاحب کو پہلے دن سے ہی ہے۔ پانی پت کے ہیں تو مولانا حالی کے دیس کے آدمی ہیں اور وہاں کے لوگ بڑے سلیقہ شعار معلوم ہوتے ہیں۔ بڑی لگن سے کام کرتے ہیں۔ جو کام ہم ناممکن سمجھتے ہیں وہ اگر اس میں بھی ہاتھ ڈالتے ہیں تو کامیاب دکھائی دیتے ہیں"۔(۷)

اسی طرح ڈاکٹر علی محمد خاں کی ادبی شخصیت کا ایک اور اہم پہلو خاکہ نگاری اور سوانح نگاری ہے۔ اگرچہ دونوں اصناف کا تعلق شخصیت کی پیش کش سے ہے مگر دونوں کے تقاضے مختلف ہیں۔ خاکہ میں شخصیت کے نمایاں خدوخال چند جچے تلے جملوں اور واقعات میں سمٹ جاتے ہیں۔ جب کہ سوانح میں زندگی کا تفصیلی اور تحقیقی بیان ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے خاکوں کے مجموعے، "اب انھیں ڈھونڈ"، "چراغِ رُخِ زیبا" اور سوانحی تصانیف، "شجرِ سایہ دار" اور "سرگزشت" کی صورت میں اپنی صلاحیتوں کا اظہار کیا ہے۔

ڈاکٹر علی محمد خاں کی خاکہ نگاری میں ان کے موضوعات میں شامل شخصیات مرحومین ہیں جن سے ان کا قریبی تعلق رہا۔ ان میں ان کی ماں جی، باپو، استاد سجاد باقر رضوی، ان کے قریبی دوست اور ساتھی بھی شامل ہیں جن میں عمر فیضی، ڈاکٹر وحید قریشی، شہرت بخاری، جعفر بلوچ، معراج نیر زیدی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ ڈاکٹر علی محمد خاں کا اسلوب شگفتہ اور تاثراتی ہے۔ عنوان سے ہی ایک گم گشتہ دور اور رخصت ہو جانے والی شخصیات کی تلاش کا احساس ابھرتا ہے۔ وہ اپنے وقتِ حافظہ کو بروئے کار لاتے ہوئے یادوں کی بازیافت کو کمال تکنیک سے برتتے دکھائی دیتے ہیں. ڈاکٹر علی محمد خاں اپنے خاکوں کے مجموعوں کو "گلشنِ بے خار" کہتے ہیں جس کا مقصد کسی کی دل آزاری نہیں ہے اور نہ ہی کسی کے معائب تلاش کرنا ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

ڈاکٹر علی محمد خاں کا زیر نظر مجموعہ ان کی والدہ، دوست احباب اور رفقائے کار کے خاکوں پر مبنی ہے۔ انھوں نے اپنے بقول امکان بھر کوشش کی ہے کہ کسی خاکے کے کسی جملے سے کسی کی دل آزاری نہ ہو۔ اس لیے وہ اسے گلشن بے خار کہتے ہیں۔ اگرچہ خار کے بغیر گلشن کا تصور ذرا مشکل ہے لیکن ڈاکٹر علی محمد خاں کے اس گلشن میں واقعی کوئی کانٹا نہیں ہے(۸)

سوانح نگاری میں ڈاکٹر علی محمد خاں کی دو کتابیں "سرگزشت" اور "شجرِ سایہ دار" ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ان دونوں شخصیات کو موضوع بنا کر یہ ثابت کیا ہے کہ سوانح عمری ان لوگوں کی بھی لکھی جا سکتی ہے جو معاشرے کی ترقی اور تبدیلی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ایسی شخصیات کو موضوع بنا کر ان کی خدمات کا اعتراف کیا جانا چاہیے۔ کتب میں واقعات کی ترتیب اور مصنف کے زاویۂ نظر سے شخصیات کی پوری زندگی ایک ترتیبِ مسلسل سے ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں۔ سرگزشت کی شخصیت معروف ہیں ان کا حلقہ اثر وسیع ہے جب کہ "شجرِ سایہ دار" کے ہیرو غیر معروف اور گم نام ہستی ہیں مگر دونوں کی قدر مشترک ہم درد، نیک و شفیق اور مہربان ہونا ہے۔ ڈاکٹر نجیب جمال اپنے مضمون "شجرِ سایہ دار کے برگ و بار" میں قاضی صاحب کی شخصیت کا احاطہ یوں کرتے ہیں:

"شجرِ سایہ دار قاضی برکت علی کی نہیں بل کہ ایسے عام آدمی کی سوانح عمری ہے جس کی مثبت سوچ، راست مزاجی، صلابتِ فقری اور ہمہ وقت فلاحِ انسانی کے لیے دردمندی نے اسے طاقتِ پرواز عطا کی اور اس کی ذات کو ایسا شجرِ سایہ دار بنا دیا جس کے سائے کی ٹھنڈک میں آج نہ جانے کتنے نونہال اپنی ذات کے باطن

کو اُجالا اور اپنی راہوں کو تاب ناک بنا رہے ہیں۔ ہمارے اس فاضل مصنف نے نہ صرف یہ کہ "شجرِ سایہ دار" لکھ کر سوانح نگاری کے فن کا احیا کیا ہے بل کہ اپنے سادہ مگر پُر کار اسلوب سے یہ بھی باور کرایا ہے کہ ایک زمین زاد کی زندگی کس قدر "غریب و سادہ و رنگین" ہو سکتی ہے۔ ایسی ہی تحریریں ہوتی ہیں جو لکھنے والوں کو خاص طور پر سوانح عمری لکھنے کا ڈھنگ، طریقہ کار اور اسلوب سے آشنا کرتی ہیں۔(۹)

یوں متذکرہ بالا دونوں شخصیات کو زندہ جاوید رکھنے کی کوشش میں ڈاکٹر علی محمد خاں کی اس صنف میں تحقیقی اور تنقیدی بصیرت نے ان سوانحی تحریروں کو استناد بخشا ہے۔ یوں یہ پہلو ان کے دیگر علمی کاموں سے الگ نہیں بل کہ ان کا ایک فطری تسلسل ہے۔ نصاب سازی تدریسی ضرورت اور علمی معیار کے درمیان توازن کا فن ہے۔ اس میں انتخابِ متن، موضوعات کی ترتیب اور طلبہ کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔ ڈاکٹر علی محمد خاں نے اس میدان میں بھی خدمات انجام دی ہیں جو ان کے علمی تجربے اور تدریسی بصیرت کی مظہر ہیں۔ ڈاکٹر علی محمد خاں نصاب سازی جیسے مشکل کام کو ۱۹۹۳ء سے سر انجام دے رہے ہیں۔ انھوں نے میٹرک اور انٹر میڈیٹ کے لازمی و اختیاری کورسز تیار کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کا تحریر کیا گیا ایک مضمون "ماحولیاتی آلودگی" ۲۰۰۳ء تک شاملِ نصاب رہا۔ آپ بطور مؤلف، مدیر اور نصاب ساز خدمات سر انجام دے رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے وزیر پبلی کیشنز کا نرسری تا ہشتم کا نصاب تیار کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ یہ مستقبل کے تقاضوں کو پورا کرے۔ جوانوں کی کردار سازی کرے اور ان کی ذہنی اور جذباتی صلاحیتوں کو نکھارنے کا باعث بنے۔ ان کی نصاب سازی کی دیگر کتب میں "اُردو لازمی (انٹر)"، "مرقع ادب (بارہویں)"، "فردوس بریں"، "توبتہ النصوح اور اس کا تنقیدی جائزہ"، "اُردو کے چھے افسانے (اے۔لیول)"، "بستانِ ادب (میٹرک)"، "بہارِ اُردو (دہم)"، "امراؤ جان ادا (اے۔لیول)"، "قواعد و انشائے اُردو (پنجم تا دہم)"، "سُخنِ اُردو (اوّل تا پنجم)"، "قواعد اانشا پردازی (اوّل تا پنجم)"، "تاجِ اُردو"، "میزانِ اُردو" اور "کلیدِ اُردو (مسابقتی امتحانات)"، "قواعد و انشا (دوم تا ہشتم)"، اس کے علاوہ منتخب نظمیں اور منتخب غزلیں (اے۔لیول کیمبرج) جسے یونیورسٹی کی طرف سے مسلسل چار سال سے "بہترین ماخذ" بھی قرار دیا گیا ہے، قابلِ ذکر ہیں۔

ڈاکٹر علی محمد خاں نے جن اداروں کے لیے نصاب سازی کی ہے اس میں انھوں نے شاملِ نصاب مصنفین کے حالات زندگی، اندازِ بیان اور اسلوب کے نمایاں خصائص کو بھی تفصیلاً بیان کیا ہے۔ وہ جدید رسم الخط اور املا پر زور دیتے ہیں تا کہ طلبا کو پڑھنے میں آسانی رہے۔ گرامر لکھ کر بچوں کو اردو ادب کو سمجھنے میں سہولت پیدا کر دی ہے۔ ان کا ترتیب کردہ نصاب مقبولِ عام کی سند اختیار کر چکا ہے۔ ڈاکٹر اشفاق احمد ورک اس سلسلے میں بتاتے ہیں:

"میں سمجھتا ہوں کہ نصاب کا تجربہ حافظ محمود شیرانی کے بعد جس شخص کو اس وقت پورے پاکستان میں استناد کے ساتھ نام لیا جا سکتا ہے تو وہ ڈاکٹر علی محمد خاں کا ہے۔ جس طرح پرانے زمانے میں فلمیں بنتی تھیں نا کہ خان زادہ، نواب زادہ وغیرہ وغیرہ تو اسی انداز میں، میں ڈاکٹر صاحب کا نام رکھنا چاہوں گا تو وہ ہو گا

نصاب زادہ۔ اس کی وجہ ان کی جو نظر نصاب پر ہے وہ چھ دہائیوں کے بعد مستند طریقے سے نصاب سازی کے حوالے سے اہم اور مستند آدمی ہیں"۔(۱۰)

ترجمہ محض ایک زبان کے الفاظ کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کا نام نہیں، بل کہ دو لسانی اور تہذیبی روایتوں کے درمیان پُل تعمیر کرنے کا عمل ہے۔ ڈاکٹر علی محمد خاں نے اس میدان میں فارسی کے ایک کلاسیکی متن کو اُردو زبان کا جامہ پہنایا ہے۔ انھوں نے شیخ سعدی کا "گلستانِ سعدی" کی ۲۵۹ حکایتوں میں سے ۲۱۵ کا ترجمہ کیا ہے جو "حکایت و حکمتِ سعدی" کے نام سے سامنے آیا ہے۔ "گلستانِ سعدی" فارسی نظم و نثر کا وہ شاہ کار ہے جس کی حکایات اخلاقی و حکمتی مضامین کی حامل ہیں۔ ان حکایات کے انتخاب سے مترجم کے اس رجحان کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ فارسی کلاسیکی ادب کو اردو کے طلبا تک پہنچانے کے خواہاں ہیں۔ ان کا ترجمہ رواں اور سلیس ہے۔ عبارت میں روانی پائی جاتی ہے۔ مثال ملاحظہ ہو، مصنف (شیخ سعدیؒ) کا کہنا ہے:

زندہ است نامِ فرخ نو شیرواں بعدل
گرچہ بسے گزشت کہ نوشیرواں نماند

یعنی نوشیرواں کا نام عدل و انصاف کی بنا پر آج تک زندہ ہے۔ اگرچہ اس کی وفات کو ایک مدت گزر گئی ہے۔ مصنف کے کہنے کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تم دنیا میں اپنا نام باقی رکھنا چاہتے ہو تو نیک اعمال اور مخلوق کی بھلائی کے کام کرو"۔(۱۱)

ان حکایات کو منتخب کرنے اور باقی حکایات کو چھوڑ دینے کا مقصد صرف متن کی منتقلی نہیں بل کہ طلبہ کی ذہنی سطح سے مطابقت اور ہم آہنگی کی بھی ضرورت تھی۔ یوں یہ ترجمہ ان کی تدریسی بصیرت کا بھی مظہر ہے اور اس کا ربط ان کی نصاب سازی کی خدمات سے بھی جڑتا ہے۔ ڈاکٹر علی محمد خاں کے ترجمے کی ایک اور نمایاں خوبی اس میں حواشی بھی درج کیے گئے ہیں۔ یوں متن کے متعلق تمام معلومات بآسانی پڑھنے کو مل جاتی ہیں جو ان کی محنت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ خود نوشت وہ صنف ہے جس میں مصنف خود اپنی زندگی کا راوی بھی ہوتا ہے اور موضوع بھی۔ یہ دوسروں کی سوانح لکھنے سے مختلف تجربہ ہے کیوں کہ اس میں یادداشت، خود احتسابی اور اپنے عہد کا مشاہدہ ایک ساتھ چلتے ہیں۔ ڈاکٹر علی محمد خان نے اپنی زندگی کو "داستانِ حیرت" کے نام سے قلم بند کیا جو ۲۰۲۵ء میں شائع ہوئی۔ "داستانِ حیرت" کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کی بے ساختگی اور سچائی ہے۔ مصنف نے اپنی زندگی کو بیان کرتے ہوئے نہ تو الفاظ میں تصنع کو راہ دی ہے اور نہ واقعات میں خود نمائی کی۔ جو کچھ جس طرح گزرا اسی سادگی اور بے تکلفی سے بیان کر دیا ہے۔ خود نوشت میں یہ صفت قاری کا اعتماد جیت لیتی ہے کیوں کہ اس میں شخصیت اصل صورت میں سامنے آتی ہے۔ بہترین یادداشت اور قوی حافظہ بھی "داستانِ حیرت" میں نمایاں طور نظر آتا ہے۔ خاص طور پر جب والدین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مجھے باپو سے پرانے زمانے کے چشم دید واقعات، ماں جی سے چڑیا چڑے کی نوعیت کی کہانیاں سننے میں بڑا مزہ آتا تھا۔ نہ تو کبھی انھوں نے سنانے میں بخل سے کام لیا اور نہ کبھی میں نے حیل و حجت سے کام لیا۔ بس انھیں ہمیشہ سنانے اور مجھے سننے سے غرض رہی"۔(۱۲)

ڈاکٹر علی محمد خاں ایک استاد بھی ہیں انھوں نے جس واقعہ کو بھی بیان کیا ہے اسے انتہائی تفصیل سے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔ "داستانِ حیرت" ان کی زندگی کے تمام واقعات کا بچپن سے لے کر اب تک کی عمر کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی تعلیم،

ملازمت اور ساتھ ہی ساتھ جہاں کہیں بھی سفر کیا، حالتِ سفر کی روداد بھی شامل ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم دورانِ سفر ان کے شریک سفر ہیں۔ ڈاکٹر جمیل الرحمٰن اس پر گفت گو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "داستانِ حیرت میں استاد کی بصیرت، سیاح کی حیرت اور ادیب کا جمال ایک دوسرے میں یوں گھل مل گئے ہیں کہ ہر صفحہ ایک نیا منظر، ایک نیا تاثر عطا کرتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ داستان اور قصہ گوئی کی ساحرانہ فضا اور دروبست کا جمالیاتی اظہار ہے۔ یوں تو زندگی کے ایک لمحے کو بھی گرفت میں لینا دشوار ہے مگر ڈاکٹر علی محمد خاں نے بے حد اختصار سے کام لیتے ہوئے قلزم کو ایک قطرے میں بند کرنے کا ہنر دکھایا ہے۔
>
> ذرا سی بات　　پھیلی تو داستان بنی
> وہ بات ختم ہوئی　　داستان باقی ہے
>
> یہ کتاب ان اہلِ دل کے نام ہے جو زندگی کے سفر کو جیتے نہیں بل کہ محسوس بھی کرتے ہیں کیوں کہ مصنف نے کہیں بھی "داستانِ حیرت" کو "داستانِ حسرت" نہیں بننے دیا"۔(۱۳)

ان تمام جہات میں ایک مشترک قدر نظر آتی ہے اور وہ ہے وہ تحقیقی ذہانت، اسلوب کی سادگی اور طلبا کے لیے آسانی کا احساس۔ یہی تمام اوصاف انھیں اُردو کی تحقیقی، تدوینی اور نصابی روایت میں ایک معتبر مقام کا مستحق ٹھہراتے ہیں۔ اردو ادب میں ان کی پہچان کسی ایک صنف سے نہیں، بل کہ ان تمام میدانوں میں ان کی طبع آزمائی سے قائم ہوتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر علی محمد خاں، لاہور کا دبستانِ شاعری۔ لاہور: نشریات، ۲۰۰۸ء ص: ۲۵۱ تا ۲۵۲

۲۔ ڈاکٹر سجاد باقر رضوی، لاہور کا دبستانِ شاعر پیشِ لفظ، ص: ۹ تا ۱۰

۳۔ ڈاکٹر علی محمد خاں، نقش ہائے رنگ رنگ، لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۲۰۰۸ء ص: ۱۵۸ تا ۱۵۹

۴۔ ڈاکٹر علی محمد خاں، اصنافِ نظم و نثر، لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۲۰۱۴ء ص: ۱۶۰ تا ۱۶۱

۵۔ ایضاً ص: ۱۱

۶۔ مولانا محمد علی جوہر، کلیاتِ جوہر (مرتب۔ ڈاکٹر علی محمد خاں)، لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۲۰۱۲ء ص: ۴۰

۷۔ ڈاکٹر اشفاق احمد ورک کا راقمہ سے ٹیلیفونک انٹرویو۔ ۲۰ دسمبر ۲۰۲۵ء وقت ۱۱:۳۰ بجے دن

۸۔ ڈاکٹر علی محمد خاں۔ اب انھیں ڈھونڈ: مشمولہ، فلیپ۔ ۲۰۱۲ء

۹۔ نجیب جمال۔ شجر سایہ دار کے برگ و بار۔ لاہور، علم و عرفان پبلی شرز، ۲۰۲۱ء ص: ۱۴

۱۰۔ ڈاکٹر اشفاق احمد ورک سے ٹیلی فونک انٹرویو۔ ۲ جنوری ۲۰۲۶ء بوقت ۱ بجے دوپہر

۱۱۔ ڈاکٹر علی محمد خاں۔ حکایت و حکمت سعدی، لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب۔ ۲۰۲۰ء ص: ۳۲

۱۲۔ ڈاکٹر علی محمد خاں، داستانِ حیرت، لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۲۰۲۵ء ص:۸

۱۳۔ ڈاکٹر جمیل الرحمٰن (پیکٹا اتھارٹی)، داستانِ حیرت، ص:۲۳۶

Reference in Roman Script:

1. Dr. Ali Muhammad Khan. Lahore ka Dabistan-e Shairi. Lahore: Nashriyat, 2008, P:251-252
2. Dr. Sajjad Baqar Rizvi. Lahore ka Dabistan-e Shairi. Paish-e Lafz P: 9 -10
3. Dr. Ali Muhammad Khan. Naqsh Haye Rang Rang. Lahore: Alfaisal Nashiran o Tajiran e Kutab. 2008, P:158-159
4. Dr. Ali Muhammad Khan. Isnaf-e Nazam o Nasar. Lahore: Alfaisal Nashiran o Tajiran e Kutab. 2014, P160 -161
5. Ibib., p 11
6. Maulana Muhammad Ali Jauhar. Kuliyat-e Jauhar (Muratab. Dr. Muhammad Ali Khan). Lahore: Alfaisal Nashrian o Tajiran e Kutab. 2012, P:40
7. Dr. Ishfaq Ahmad Virk ka Raqima se Telephonic Interview. 20 December 2025 time 11:30 Am
8. Dr. Ali Muhammad Khan. Ab Unhein Doandh: Mashmola, Flap. 2012
9. Najeeb Jamal. Shajar e Saya Dar k Barg-o-baar. Lahore, Ilm o Irfan Publisher, 2021, P:14
10. Dr Ishfaq Ahmad Virk se Telephonic Interview. 2 Jan 2026 at 1:00 PM
11. Dr. Ali Muhammad Khan. Hikayat o Hikmat Saadi. Lahore: Alfaisal Nashiran o Tajiraan e Kutab. 2020, P:32
12. Dr. Ali Muhammad Khan. Daastan-e Hairat. Lahore: Alfaisal Nashiran o Tajiraan e Kutab. 2025, P:8
13. Dr. Jameel Ur Rehman (PECTA Authority). Daastan-e Hairat, P:236